حلال وحرام کے معاملات میں غیر مسلم کی گواہی کی شرعی حیثیت

(پہلی قسط)

مولانا یوسف عبدالرزاق اسکندر

’’یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔‘‘ (البقرۃ:۱۶۸)

ترجمہ: ’’اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی، بیشک وہ تمہارا دشمن ہے صریح۔‘‘ (ترجمہ از معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)

قرآن کریم نے انسان کو مختلف ناموں سے مخاطب کیا ہے، بعض مقامات پر اے لوگو! بعض جگہ اے ایمان والو! پھر ان دونوں قسم کے خطابوں میں کبھی خاص کسی ایک قوم سے خطاب ہے، کبھی جمیع انسانیت سے، اور کبھی خطاب تو کسی خاص گروہ کو کیا جاتا ہے، لیکن اس سے مقصود سنانا پوری انسانیت کو ہوتا ہے، اسی وجہ سے علماءِ امت نے صدیوں کی محنت کے نتیجے میں مختلف قرآنی اسالیب کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے قوانین واصول وضع کیے، جن کو سمجھنا بہت ضروری ہے، تاکہ لوگ ان اصولوں کی مدد سے قرآن کریم کی تعلیمات کو صحیح طریقے سے سمجھ سکیں اور گمراہی سے بچ سکیں۔

مندرجہ بالا آیت کو موضوعِ بحث بنانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایک سفر کے دوران مختلف اسلامی ممالک کے ان ذمہ دار افراد سے ملاقات ہوئی جو حلال فوڈ کے شعبے سے تعلق رکھتے تھے اور وہ اس آیت میں عربی زبان کے ظاہری الفاظ ’’یٰـأَیُّھَا النَّاسُ ‘‘ یعنی اے لوگو! کو بنیاد بنا کر حلال وحرام کے متعلق غیر مسلموں کی شہادت کا جواز تلاش کر رہے تھے، جو بحیثیت مسلمان میرے لیے بہت تعجب کی بات تھی۔

دعویٰ اور طریقۂ استدلال

ان کا دعویٰ اور طریقۂ استدلال یہ تھا کہ چونکہ آیت میں پوری انسانیت سے خطاب ہے، یعنی: ’’اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی، بیشک وہ تمہارا دشمن

ہے صریح۔'' لہٰذا غیر مسلم بھی حلال وحرام میں مخاطب ہوئے اور جب وہ مخاطب ہیں تو یہ کہنا کہ حلال وحرام کا شعبہ صرف مسلمان ہی چلا سکتے ہیں، صحیح نہ ہوگا، بلکہ غیر مسلم بھی اس شعبے کو چلا سکتے ہیں۔

اگر چہ مذکورہ عربی الفاظ میں مسلم وغیر مسلم سب داخل ہیں، لیکن اس کی یہ تشریح کرنا کہ اس سے کفار کو حلال کے حوالے سے شہادت دینے کا جواز بھی حاصل ہو جائے، درست نہیں، کیونکہ قرآن وسنت کی وہی تشریح معتبر ہوگی جو قرآن وسنت کے معروف مقررہ اُصولوں کے مطابق ہوگی۔

متعلقہ مفید معلومات

اس قرآنی پیغام کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں مندرجہ ذیل امور سے متعلق معلومات کا ہونا ضروری ہے:

۱:......اے لوگو! کا خطاب قرآن کریم میں کتنی بار آیا اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟

۲:......اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

۳:......اس آیت کا خطاب عام ہے یا خاص؟

۴:......اس آیت میں کن اُمور سے متعلق احکامات نازل ہوئے؟

۵:...... یہ دعویٰ کہ غیر مسلم حلال وحرام کے شعبے میں شہادت کا اہل ہے، اس آیت سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

۶:......حلال وحرام کے شعبے میں شریعت غیر مسلم کو کیا اور کس حد تک اختیار دیتی ہے؟

۱:......اے لوگو! کا خطاب قرآن کریم میں کتنی بار آیا اور اس کے مقاصد کیا تھے؟

اے لوگو! کا خطاب قرآن کریم میں کم وبیش بیس مرتبہ آیا ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(البقرۃ:۲۱)، (البقرۃ:۱۶۸)، (النساء:۱)، (النساء:۱۷۰)، (النساء:۱۷۴)، (الأعراف: ۱۵۸)، (یونس:۲۳)، (یونس:۵۷)، (یونس:۱۰۴)، (یونس:۱۰۸)، (الحج:۱)، (الحج:۵)، (الحج:۴۹)، (الحج:۷۳)، (النمل:۱۶)، (لقمان:۳۳)، (فاطر:۳)، (فاطر:۵،۶)، (فاطر:۱۵)، (الحجرات:۱۳)

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انبیاء کی بعثت تب ہوتی ہے جب انسان اپنے حقیقی خالق کو بھول بیٹھتا ہے اور شرک وکفر شروع کر دیتا ہے تو اللہ رب العزت فوراً اس کی پکڑ نہیں فرماتے، بلکہ اُسے موقع فراہم کرتے ہیں، تاکہ بندہ اپنے حقیقی خالق کی طرف لوٹ آئے؛ کیونکہ اللہ رب العزت کی ذات سراپا رحمت ہے تو اپنے بندوں سے خطاب میں بھی رحمت کی صدا بلند فرماتے ہیں کہ گمراہی چھوڑ دو! لوٹ آؤ! آخرت کا حساب سخت ہے، وغیرہ۔ ان آیات میں ''اے لوگو! کا جو خطاب ہے، اس میں حسبِ ترتیب چند امور کی طرف توجہ مطلوب ہے، جو یہ ہیں:

۱:......اطاعت کی ترغیب اور ناکامی سے بچانا۔ (سورۃ البقرۃ، آیت:۲۱)

۲:......انسانیت پر رحم کھانا اور بغاوت کے باوجود اُنہیں اپنی نعمتیں گنوا کر جتلانا، بلاوجہ کیوں مجھ پر بھی تہمت باندھتے ہو اور خود پر بھی ظلم کرکے اشیاء کو حرام کرتے ہو جو تمہارے لیے مفید ہیں اور جو نقصان دہ ہیں، انہیں حلال کرتے ہو۔ (سورۃ البقرۃ، آیت:۱۶۸)

۳:......قیامت کی سختی سے آگاہ کرنا اور اس سے بچنے کا طریقہ بتانا جو کہ تقویٰ ہے۔ (سورۃ الحج، آیت:۱)

۴:......لوگوں کے سوالات کا مثالوں کے ساتھ جواب دینا کہ انہیں تشفی ہوجائے اور قیامت کے دن عذر نہ کریں کہ ہمیں کچھ معلوم ہی نہ تھا۔ (سورۃ الحج، آیت:۵)

۵:......لوگوں کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت پر اُٹھائے گئے اعتراضات کا جواب دینا۔ (سورۃ الحج، آیت:۴۹)

۶:......جو انسان اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں، اُنہیں بھی انتہائی پیار سے سمجھانا کہ جنہیں معبود بنا بیٹھے ہو، وہ تو ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ (سورۃ الحج، آیت:۷۳)

۷:......حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنی اُمت سے خطاب۔ (سورۃ النمل، آیت:۱۶)

۸:......اللہ تعالیٰ کا اپنے احسانات یاد دلانا۔ (سورۂ لقمان، آیت:۳۳)

۹:......اپنے کیے گئے وعدوں کے حق اور سچ ہونے کا یقین دلانا۔ (سورۃ الفاطر، آیت:۳)

۱۰:......اپنی بے نیازی کا اعلان۔ (سورۃ الفاطر، آیت:۱۵)

۱۱:......انسان کو اس کی تخلیق سے متعلق یاد دلانا۔ (سورۃ الحجرات، آیت:۳۱)

مندرجہ بالا آیات پر ایک مجموعی نظر (خلاصہ ونتیجہ)

قرآن کریم میں ان مقامات پر انسانیت کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں آنے کی دعوت تو ضرور دی گئی ہے، مگر کہیں بھی ''اے لوگو!'' کے خطاب سے غیر مسلمانوں کو شرعی احکامات کا اہل نہیں بنایا گیا، کیونکہ اہلیت کے لیے ایمان شرط ہے۔ اسی لیے ان گیارہ آیات میں ایمان کی دعوت تو سب کو دی گئی ہے، مگر ان سے شرعی احکام اور شرعی حقوق کی پابندی کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔

۲:- اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

''اے لوگو!'' کا خطاب شانِ نزول کی مناسبت سے تو خاص قبیلہ ثقیف وخزاعہ وعامر ابن صعصعہ وبنی مدلج کو ہے، جنہوں نے اپنے اوپر از خود وہ چیزیں حرام کی تھیں، جو اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں اور کچھ وہ چیزیں حلال کی تھیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں، جیسا کہ مفسرین نے اس کی تفصیل میں ذکر کیا ہے، مثلاً: مشرکین عرب بتوں کے نام سانڈ چھوڑ دیتے تھے، پھر ان جانوروں کا گوشت کھانا یا ان سے کسی طرح کا بھی نفع اُٹھانا حرام سمجھتے تھے یا کسی مخصوص کھانے پر اپنی طرف سے پابندیاں عائد کرکے اُسے

حرام قرار دے لیتے تھے۔ یہی صورت کسی حرام چیز کو حلال قرار دینے کی ہوتی تھی، جیسے: یہود نے سود کو حلال قرار دیا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ (ابن کثیر)

مفسرین نے یہی تفسیر مندرجہ ذیل تفسیروں میں کی ہے: ’’تفسیر روح المعانی، مظھری، مقاتل بن سلیمان، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن تفسیر البغوی، الجامع لأحکام القرآن، غرائب القرآن ورغائب الفرقان۔‘‘

’’یٰـأَیُّھَا النَّا سُ‘‘ میں پہلا خطاب جن لوگوں سے کیا گیا، وہ لوگ کون تھے؟ وہ لوگ قریش کے مشرکین تھے: ’’وکان لھم علی قوم من قریش۔‘‘ (الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، تفسیر النسفی [مدارک التنزیل وحقائق التأویل])

۳:......اس آیت کا خطاب عام ہے یا خاص؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ’’البحر المحیط‘‘ نے نقل کیا ہے کہ: اے لوگو! ’’یہ عام خطاب ہے ہر اس شخص کو جو اپنے اوپر ان چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے جو اللہ رب العزت نے حرام قرار نہیں دیں: ’’قَالَ الْحَسَنُ: نَزَلَتْ فِی کُلِ مَنْ حَرَّمَ عَلٰی نَفْسِہٖ شَیْئًا لَمْ یُحَرِّمْہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔‘‘ (البحر المحیط فی التفسیر. فتحُ البیان فی مقاصد القرآن)

۴:......اس آیت میں کن امور سے متعلق احکامات نازل ہوئے؟

اس آیت کو سمجھنے کے لیے اس کے بعد کی دونوں آیات کو بھی سامنے رکھنا ہوگا، تب پورا موضوع سمجھ آئے گا:

۱:......’’یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔‘‘ (البقرۃ:۱۶۸)

’’اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں، ان میں سے (شرعی) حلال پاک چیزوں کو کھاؤ (برتو) اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو، فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔‘‘

۲:......’’یٰـأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ إِنْ کُنْتُمْ إِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ۔‘‘ (البقرۃ:۱۷۲)

’’اے ایمان والو جو پاکیزہ روزی ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ، پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو، اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔‘‘

۳:......’’إِنَّـمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیرِ وَمَا أُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَیْہِ إِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔‘‘ (البقرۃ:۱۷۳)

’’تم پر مردہ اور (بہتا ہوا) خون اور سؤر کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا

نام پکارا گیا ہو' حرام ہے، پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو، اس پر ان کے کھانے میں کوئی پابندی نہیں، اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

سورۂ بقرہ کی آیت: ''یٰأَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْأَرْضِ حَلَالاً طَیِّبًا'' میں دو پیغام دیئے گئے:

اس خطاب کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کو پیش کرنا ہے، وہ اس طرح کہ اہل مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والوں میں شمار ہوتے تھے اور جب انہوں نے دینِ ابراہیمی میں شرک شروع کردیا اور اپنے اوپر ان اشیاء کو حرام کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں حرام نہ تھیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے نبی کے ذریعے پیغام دیا کہ اگر تم ان اشیاء کو دینِ ابراہیمی کو بنیاد بناکر حرام قرار دیتے ہو تو جان لو! تم خود کو بھی دھوکا دے رہے ہو اور اپنے ماننے والوں کو بھی، کیونکہ دینِ ابراہیمی میں ہم نے ایسا کچھ حرام نہیں کیا جو تم کر بیٹھے ہو۔ گویا کہ مشرکین مکہ کو ''یٰأَیُّھَا النَّاسُ'' کے ذریعہ فروعی احکام میں آسمانی ہدایات کی پابندی کا مطالبہ اس بنیاد پر نہیں تھا کہ وہ حلال وحرام جیسے فروعی احکام کے مخلف وپابند ہیں، بلکہ یہ مطالبہ محض الزامی تھا اور دین ابراہیمی کی تطہیر واصلاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد میں شامل تھا، اس لحاظ سے ''یٰأَیُّھَا النَّاسُ'' کے خطاب کے ذریعہ مشرکین مکہ کو دین محمدی کی طرف آنے کی دعوت تھی، نہ کہ فروع کی پابندی کا تقاضا۔

دوسرا پیغام مسلمانوں کے لیے یہ ہے کہ وہ خود کسی شئے کو اپنے اوپر حرام قرار نہیں دے سکتے، بلکہ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ مسلمان کے لیے اصل معیار اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بتایا ہوا قانون ہے۔ شریعت نے جس شئے کو جس حد میں رکھا ہے، اسی میں رہنے کا حکم ہے، یعنی طبیعت تابع ہوگی شریعت کی، نہ کہ شریعت کو کھینچ تان کر طبیعت کا تابع بنالیا جائے۔ یہ آیت حکم شرعی کی حیثیت رکھتی ہے کہ مسلمانو! زمین میں سے ہر اس شئے کو کھا سکتے ہو جو حلال اور طیب ہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم آنے کے بعد اس پر عمل لازم، باعثِ صحت وثواب وبرکت ہے اور عمل نہ کرنے کی صورت میں گناہ، دین ودنیا کا خسارہ اور آخرت کی ناکامی ہے۔ اسی لیے اگلی احکامات والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مستقل صرف اہل ایمان سے خطاب کیا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

''إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا أُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَیْہِ إِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔'' (البقرۃ:۱۷۳)

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ روزی ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو! اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے رہو۔''

یعنی پہلا خطاب پوری انسانیت سے اور فوراً دوسرا خطاب صرف مسلمانوں سے ہوا، اس کی آخر وجہ کیا ہے؟

اس سوال کا جواب علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عثمانی میں دیا ہے، فرماتے ہیں:

''اکلِ طیبات کا حکم اُوپر گزر چکا تھا، لیکن مشرکین چونکہ شیطان کی پیروی سے باز نہیں آتے اور احکام

اپنی طرف سے بنا کر اللہ کے اُوپر لگاتے ہیں اور اپنے آبائی رسومِ باطلہ کو نہیں چھوڑتے اور حق بات سمجھنے کی ان میں گنجائش ہی نہیں تو اب ان سے اعراض فرما کر خاص مسلمانوں کو اکلِ طیبات کا حکم فرمایا گیا اور اپنا انعام ظاہر کر کے اداءِ شکر کا امر کیا گیا۔ اس میں اہلِ ایمان کے مقبول اور مطیع ہونے کی جانب اور مشرکین کے مردود ومعتوب ونافرمان ہونے کی طرف اشارہ ہوگیا۔‘‘ (تفسیر عثمانی از شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، ج:۱،ص:۱۴۵)

مذکورہ بالا تفسیر کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کے عیوب بھی گنوائے ہیں، جیسا کہ:

۱:......شیطان کی پیروی سے باز نہیں آتے: ’’یٰٓأَیُّھَا الَّذِیْنَ أٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ۔‘‘ (النور:۲۱)

۲:......احکام اپنی طرف سے بنا کر اللہ کے اُوپر لگاتے ہیں: ’’وَأَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔‘‘ (البقرۃ:۱۶۹)

۳:......اپنی آبائی رسومِ باطلہ کو نہیں چھوڑتے: ’’وَإِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَا أَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَیْنَا عَلَیْہِ آبَاءَ نَا۔‘‘ (البقرۃ:۱۷۰)

۴:......حق بات سمجھنے کی ان میں دلچسپی ہی نہیں: ’’وَمَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔‘‘ (البقرۃ:۱۷۱)

مذکورہ بالا عیوب کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے اعراض فرما کر حلال وحرام سے متعلق تمام خطابات واحکامات صرف اور صرف ایمان والوں سے کیے ہیں؛ کیونکہ مسلمان اُسے کہتے ہیں جو اللہ ورسول کو ماننے والا ہو؛ لہٰذا اب جو اللہ کو مانتا ہے، اس کی سنتا ہے، تو اسی سے خطاب کیا جارہا ہے اور اس حکم پر عمل کے نتیجے میں اللہ کی رضا کے مستحق صرف وہی لوگ ٹھہریں گے جو اس کی وحدانیت کے قائل ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتے ہیں اور ان کی تعلیمات پر زندگی گزارتے ہیں۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب اللہ نے ایک خطاب کے بعد دوسرا خطاب تک ان سے نہیں کیا تو ہم کیسے یہ حق رکھتے ہیں کہ ہم اُنہیں انتہائی حساس معاملے کی باگ دوڑ دے دیں، جس کے وہ اہل ہی نہیں ہیں!!! اور مذکورہ بالا عیوب اگر کسی عام انسان میں پائے جائیں تو شاید کوئی اُسے عام دنیوی ذمہ داری تک نہ دے تو ہم کیسے ایک ایسی اہم چیز کی ذمہ داری ایسے شخص کو دے سکتے ہیں جس کا تعلق ہماری آخرت کی کامیابی اور ناکامی سے ہے۔ سب سے زیادہ اہم سوال تو یہ ہے کہ ہمیں یہ حق دیا کس نے ہے؟ جس کا جواب ہے، کسی نے نہیں۔

میرے خیال میں یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوگئی کہ ہم مسلمان اور غیر مسلم کی اہلیت میں فرق نہیں کر سکے، اگر ہم اسے سمجھ جائیں تو یہ غلط فہمی دور ہوسکتی ہے۔ **(جاری ہے)**

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....